سلاطین ہند اور اسلامی تہذیب

ڈاکٹر محمد مسعود عالم القاسمی

بادشاہ اور سلاطین ملک وقوم کے سربراہ اور ذمہ دار ہونے کی وجہ سے کسی بھی تہذیب کی تصویر بنانے اور بگاڑنے یا اسے رواج دینے اور کمزور کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس قوت نافذہ ہوتی ہے اور عوام کی اجتماعی زندگی سے ان کا براہ راست تعلق ہوتا ہے۔ مشہور قول ہے "الناس علی دین ملوکھم" چنانچہ قوموں کی وابستگی اپنے سربراہ حکومت سے تقریباً اسی طرح کی ہوتی ہے جس طرح خاندان کے افراد کی اپنے سربراہ سے۔ فرق صرف قانون اور خون کا ہوتا ہے، بادشاہ جن چیزوں کو رواج دینا چاہتا ہے وسائل و ذرائع اور رائے عامہ کے ذریعہ انہیں سہل بنا دیتا ہے، اور جن چیزوں کو ختم کرنا چاہتا ہے ان کو مختلف پابندیوں کے ذریعہ یا حوصلہ شکنی کرکے کمزور کر دیتا ہے، اسی لیے حضرت عثمان فرماتے ہیں "ان اللہ یزع بالسلطان مالا یزع بالقرآن"۔ اللہ تعالیٰ سلطان کے ذریعہ ان چیزوں سے روک دیتا ہے جن سے وہ قرآن کے ذریعہ نہیں روکتا۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کہتے ہیں " پادشاہ نسبت بعالم در رنگ دل است نسبت بدن کہ اگر دل صالح است ، بدن صالح است واگر فاسد است فاسد، صلاح پادشاہ صلاح عالم است وفساد او فساد عالم[1]" یعنی بادشاہ کی نسبت دنیا میں وہی ہے جو نسبت جسم میں دل کی ہے اگر دل درست ہوگا تو بدن بھی درست ہوگا اور اگر دل فاسد ہوگا تو بدن بھی فاسد ہوگا۔ بادشاہ کی صلاح و درستگی دنیا کی صلاح ہے اور بادشاہ کا فساد دنیا کا فساد ہے۔

ہندوستان میں مسلم تہذیب کی جو تصویر ابھری ہے اس کی رنگ آمیزی میں مسلم سلاطین

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۴۷ بنام شیخ فرید

کا بھی اہم کردار رہا ہے، کہیں یہ رنگ خدائی رنگ (صبغۃ اللہ) سے ہم آہنگ ہے اور کہیں اس سے مختلف اور متضاد، مگر اس تہذیب کے سلسلہ میں سلاطین ہند کے کردار پر گفتگو کرنے کے ساتھ ضروری ہے کہ ہم ان کی تاریخ، سیرت، ماحول، کارناموں اور نظریۂ حکومت کا جائزہ لیں اس لیے کہ وہ سب کے سب اسلام کے نمائندے اور ترجمان نہیں تھے۔ ان میں دین و شریعت کے پابند بھی تھے اور اس سے بے نیاز بھی، مملکت کو دین سے جدا کرنے والے بھی تھے اور اسے اسلامی احکام کے تحت لانے والے بھی۔

ہندوستان میں مسلم سلاطین کی تاریخ محمد بن قاسم سے شروع ہوتی ہے، چونکہ محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ اور ملتان تک محدود تھیں اس لیے ان کے اثرات ہندوستان کے دوسرے علاقوں تک یا تو منتقل نہیں ہوئے اور اگر کسی درجہ میں ہوئے بھی تو ان سے کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ تواتر اور تسلسل کے ساتھ اصلاً سبکتگین م ۳۸۷ھ اور محمود غزنوی م ۴۲۱ھ یعنی ترک سلاطین سے شروع ہوتا ہے۔ مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سبکتگین سے لے کر آخری مغل حکمراں تک جتنے سلاطین نے ہندوستان پر حکومت کی ان میں سے کوئی عرب نہ تھا اور نہ کسی کو اس گہوارہ میں نشو و نما پانے اور اس کی تعلیم و تربیت سے فیض یاب ہونے کا موقع میسر ہوا تھا، یہ سلاطین بیشتر وسط ایشیا سے تعلق رکھتے تھے، یہ جن علاقوں سے آئے تھے وہاں اسلام دوسرے اور تیسرے دور میں پہونچا تھا اور یہ اس دور کے پروردہ تھے جو اسلامی اور عجمی تہذیب کی آمیزش کے لیے مشہور ہے۔ ان علاقوں کے مسلمان اسلام قبول کر لینے اور اسلامی معاشرہ میں شامل ہو جانے کے باوجود اپنے مقامی خیالات، آداب معاشرت اور رسوم و نظریات سے پوری طرح آزاد نہ ہو سکے تھے، تربیت کی کمی اور اسلامی عقائد و احکام سے تفصیلی واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ان میں بہت سی ایسی خرابیاں رہ جاتی تھیں کہ جن کے ہوتے ہوئے ان کو خالص اسلامی تہذیب کا علم بردار کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے، ترک قبائل کے متعلق مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> "وہ بیشتر مسلمان نہ تھے وہ غلاموں کی حیثیت سے ہزارہا کی تعداد میں فروخت ہوتے تھے سلاطین اور امراء ان کو خرید کر مسلمان بنا کر فوج میں بھرتی کرتے تھے یا وہ خود لوٹ مار کے شوق میں وسط ایشیا سے نکل کر اسلامی ممالک میں آتے تھے، اور مسلمان ہو کر مختلف بادشاہوں اور امیروں کی فوج میں

بھرتی ہوتے تھے اور آگے چل کر بڑے بڑے افسر ہو جاتے تھے، البتگین اور سبکتگین جو اس غزنوی سلطنت کے بانی تھے، اسی قسم کے ترک غلام تھے سلطان غوری کے جانشین التمش وغیرہ بھی ایسے ہی تھے"۔[1]

مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ اپنے زمانہ کے بعض ترک امراء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دعوی اسلام کے باوجود احکام شرعیہ سے جہالت کی بنا پر ایک ایک آدمی بہت سی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا ہے[2] عباسی دورِ حکومت میں ان غلاموں نے جب اپنا مقام بنا لیا اور حکومت کے اہل کاروں میں شامل ہو گئے تو ان کا شیوہ یہ ہو گیا کہ وہ بغداد میں گھروں میں گھس کر مسلم خواتین سے چھیڑ خانی کرتے، لوگوں کو اذیت دیتے اور دوسری قبیح حرکات کا ارتکاب کرتے تھے ایک مرتبہ خلیفہ معتصم باللہ جب اپنی سواری پر نکلا تو ایک بوڑھے نے سامنے آکر اس طرح فریاد کی:

"اے ابو اسحاق پڑوس کے معاملہ میں خدا تم سے سمجھے اور تمہیں جزائے خیر نہ دے تم ایک مدت تک ہمارے پڑوس میں رہے اور ہم نے تم کو بدترین پڑوسی پایا۔ تم نے ہمارے اوپر ان وحشی ترک غلاموں کو مسلط کر دیا ہے ان کو ہمارے درمیان بسا کر ہمارے بچوں کو یتیم اور ہماری عورتوں کو بیوہ بنا دیا ہے، خدا کی قسم اب ہم اپنی آہ سحر گاہی کے تیروں سے تمہارا مقابلہ کریں گے"[3]

ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو اصلاً مجوسی تھے مگر بظاہر اسلام قبول کر کے مسلمان فوج میں شامل ہو کر اونچے مناصب تک پہونچ گئے تھے خلیفہ معتصم باللہ نے الافشین حیدر کو اپنی فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا تو اس نے رئیس طبرستان کو خفیہ طور پر لکھا کہ "ہم اور آپ دو ہی شخص دین زرتشت کے حامی اور ناصر رہ گئے ہیں آپ علم بغاوت بلند کر دیں مقابلہ کے لیے میں ہی بھیجا جاؤں گا اور میں لشکر کے ساتھ آپ سے مل جاؤں گا"[4]

---

[1] سید سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۸۰، اعظم گڑھ ۱۹۷۹ء

[2] محمد علی بن حجر عسقلانی، فتح الباری ۱/۱۷۹، بیروت

[3] محمد علی ابن طباطبا، الفخری ص ۲۸۱، اردو ترجمہ لاہور ۱۹۶۲ء

[4] سید احمد اکبر آبادی، مسلمانوں کا عروج و زوال ص

جب ترک ہندوستان میں فاتح اور حکمراں کی حیثیت سے آئے تو ان میں سے بیشتر مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام کو بہت سے پہلوؤں سے انہوں نے تقویت پہونچائی مگر عرب حکمرانوں اور تاجروں کی طرح ان میں اسلام کی اشاعت اور خدمت کا جذبہ وافر نہ تھا، وہ دینِ حنیف کی سربلندی سے زیادہ فتوحات اور غنیمتوں سے دلچسپی رکھتے تھے اور ہندوستان کے باشندوں کو اللہ کا مطیع اور فرماں بردار بنانے کے بجائے اپنا محکوم اور باجگزار بنانے کو اہمیت دیتے تھے، چنانچہ تحقیق سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان فاتحین کے ساتھ داعیانِ اسلام بھی آئے ہوں[۱]۔ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے اور آج بھی وہ بت شکن مسلمان فاتح کی حیثیت سے معروف ہے مگر جب اس کے سامنے نیشاپور کے ایک دولت مند تاجر کو قرامطہ کے عقائد کے الزام میں پیش کیا گیا تو اس نے محض اس بنا پر اسے چھوڑ دیا کہ اس تاجر نے اپنی تمام دولت اس کے حوالہ کر دینے کا وعدہ کر لیا بادشاہ نے نہ صرف اس سے مواخذہ نہیں کیا بلکہ ایک صداقت نامہ بھی لکھ دیا جس میں اس کے عقائد کی صحت کی توثیق کی گئی تھی[۲]۔ اس نے حنفیہ اور شافعیہ میں تحقیقِ حق کے لیے مناظرہ کرایا تو فیصلہ کے لیے ایک عربی داں عیسائی کو مقرر کیا[۳]۔ ہندوستان پر اس کے تمام حملوں کا ماحصل صرف اتنا نکلا کہ لاہور، پشاور اور گرو ولواخ کا علاقہ غزنوی حکومت کے زیرنگیں آگیا مگر اس نے سوائے جمع اموال کے اور کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ آل سبکتگین میں فرخ زاد م ۴۵۰ھ اور ابراہیم بن مسعود م ۴۹۲ھ کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ جن کی زندگیاں متقیوں اور اولیاء اللہ کی تھیں اور ان کو اپنی حکمرانی سے زیادہ خدا کی بادشاہت کا خیال تھا[۴] مگر یہ استثنائی مثالیں اس صورت حال کو بدلنے سے قاصر تھیں جو عجمی نظریہ حکومت کی بنا پر پیدا ہوئی تھی اور جو رسم سلطنت کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

غوری سلاطین کا معاملہ ترکوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا، غور میں اسلام کی اشاعت گیارہویں صدی عیسوی کے وسط میں ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب اسلامی معاشرہ کو اپنے مراکز

---

[۱] ارنلڈ، دعوت اسلام ص۲۰۳، آگرہ

[۲] K.M. Ashraf. Life and Conditions of the People of Hindustan, P.41

[۳] شبلی نعمانی، علم الکلام ۵۸/۱ اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء

[۴] عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ ۳۷/۱، کلکتہ ۱۸۶۸ء، نیز دیکھیے منہاج سراج جوزجانی، طبقاتِ ناصری ص۱۲، کلکتہ ۱۸۹۲ء

میں انتشار اور اضطراب کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، غوری حکمرانوں کے سیاسی عروج کے وقت وہاں کے مسلمانوں میں فکر و عمل کی بہت سی گمراہیاں جڑ پکڑ چکی تھیں اور مسلمانوں نے بہت سے مقامی اور اجنبی نظریوں کو اسلامی معاشرہ کے ساتھ ملا لیا تھا، دیہی علاقوں کی طرف علماء کی دعوتی اور اصلاحی توجہ نہ ہونے کی بنا پر عوام کا تعلق برائے نام ہی اسلام سے تھا، مسلمانوں کی اکثریت کرامیہ فرقہ سے تعلق رکھتی تھی جس کے بانی ابوعبداللہ محمد بن کرام م ۸۶۹ء کا عقیدہ تھا کہ ایمان کا انحصار صرف زبانی اقرار پر ہے وہ انسانوں کی طرح خدا کے جسم کے قائل تھے جو عرش پر ایک مخصوص جگہ پر متمکن ہے، بقول خلیق احمد نظامی "تشبیہہ و تجسیم کے یہ خیالات اور عقائد ان علاقوں میں بہت کامیاب ثابت ہوئے جہاں لوگوں کے مذہبی شعور نے مہایانہ بدھ مت کے زیر اثر نشو و نما پایا تھا، اس لیے کہ فکری اعتبار سے تبدیلی کی نوعیت بہت محدود تھی، جس طرح پہلے مہاتما بدھ کنول پر بیٹھا تھا اب اسی طرح اللہ عرش پر بٹھا دیا گیا اصل میں کرامیہ فرقہ اسلام اور بدھ مت کی درمیانی منزل تھی، کہا جاتا ہے کہ محمد بن کرام نے ہزاروں غیر مسلموں کو اپنے فرقہ میں شامل کر لیا تھا"[1]

علامہ سید سلیمان ندوی رحؒ کا کہنا ہے کہ غوری قبائل چوتھی صدی ہجری کے وسط تک یعنی غزنویوں کی پیدائش کے بعد تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، سلطان محمود سے پہلے ان اطراف میں نہ اسلامی درس گاہیں تھیں اور نہ اسلامی تعلیمات کا رواج ہوا تھا اور نہ مسلمان علماء پھیلے تھے[2] چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے جغرافیہ نویس اس عہد کے غور کو غیر مسلموں کی اکثریت کی بنا پر "دارالکفر" ہی کے نام سے پکارتے ہیں[3]

ہندوستان پر ترک سلاطین (خاندان غلاماں) کی حکومت لمبے عرصے تک قائم رہی،

لہ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص۱۳، دہلی ۱۹۸۱ء
محمد بن عبداللہ کے مخالفین ان کی تصویر کشی کرنے میں جس رنگ آمیزی سے کام لیتے ہیں وہ بہت زیادہ صحت مند نہیں ہے کیونکہ دوسرے ماخذ بتاتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ متقی پاکباز، مقرر و مبلغ اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور یہ کہ وہ ہم عصر فقہاء پر ان کی دربار سلاطین سے وابستگی کی بنا پر تنقید کرتے تھے جس کے رد عمل میں وہ نشانہ ملامت ٹھہرے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر اقتدار حسین کا مقالہ ابو محمد عبداللہ بن کرام سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ اکتوبر دسمبر ۱۹۹۱ء

ﷺ عرب و ہند کے تعلقات ص۱۹۰

ﷺ ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران ص۱۹۹ تہران ۱۳۳۲ھ

اس خاندان کا بانی سلطان قطب الدین ایبک م ۱۲۱۰ء پہلا حکمراں تھا جس نے دہلی کو اپنا دار الخلافہ بنا کر اسلامی تہذیب و تمدن کا اسے گہوارہ بنایا جبکہ اسے صرف چار سال حکومت کرنے کا موقع ملا۔

قطب الدین ایبک کے بعد دہلی سلطنت کے غلام حکمرانوں میں سلطان التمش کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور یہ اہمیت اس کے مذہبی رجحان، چشتی بزرگوں سے نیازمندانہ تعلقات اور ذاتی اعمال کے بدولت دی جاتی ہے۔ بلاشبہ التمش کی زندگی صاف ستھری تھی اور دوسرے سلطانوں کے مقابلہ میں وہ زیادہ پابند شریعت اور خدا ترس نظر آتا ہے، مگر جب ہم مولانا سید نور الدین مبارک غزنوی کی وہ نصیحت اور تنبیہ پڑھتے ہیں جو انھوں نے کئی بار سلطان کو کی تھی تو کچھ ایسا لگتا ہے جیسے التمش کی مذہب سے وابستگی اور دینی جذبات و میلانات کے باوجود اس کا طرز حکمرانی اسلامی اصولوں پر مبنی نہ تھا مولانا سید نور الدین نے سلطان کے دربار میں کہا تھا "بادشاہ جو کچھ امور بادشاہت کے لوازم کرتے ہیں، ان کے کھانے پینے کا طریقہ، کپڑے پہننے کا انداز، اٹھنے بیٹھنے اور سواری کرنے کے اطوار، تخت نشین ہو کر لوگوں کو اپنے سامنے بٹھانا اور سجدہ کرانا اور خدا کے باغی و نافرمان اکاسرہ (جو کہ مجوسی تھے) کے مراسم کی دل و جان سے رعایت کرنا اور بندگان خدا سے اپنے آپ کو تمام معاملات میں برتر سمجھنا یہ سب چیزیں شریعت مصطفوی کے خلاف ہیں اور شرک ہیں[1]"

التمش نے گیارہ بیٹوں کے باوجود بیٹی رضیہ کو اپنا ولی عہد بنایا اور اس کے لیے اپنی جانشینی کی وصیت کی[2] التمش کے بیٹوں میں رکن الدین فیروز شاہ تخت نشین ہوا وہ ایک عیاش اور بدمست حکمراں ثابت ہوا، اس کے یہاں ہجڑوں، گویوں، سازندوں، بھانڈوں کا جم گھٹا رہتا، وہ بدمست ہو کر بازاروں میں سونے کے سکے بکھیرتا چلتا[3] اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے خلاف خود اس کی بہن رضیہ سلطانہ نے سازش کی اور اسے محبوس کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا، رضیہ سلطانہ تخت نشینی کے بعد مردوں کی طرح لباس پہنتی

---

[1] ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی ص ۴۱، تصحیح سر سید احمد خاں، کلکتہ ۱۸۶۲ء

[2] منتخب التواریخ ۱/۷۰، طبقات ناصری ص ۱۸۵

[3] منہاج سراج، طبقات ناصری ص ۱۸۲

اور سواری کرتی، بے پردہ رہتی، ایک حبشی غلام جمال الدین یاقوت کے ساتھ متہم ہونے کی بنا پر لوگوں نے اسے تخت سے بے دخل کر دیا۔[1] اس عہد کی یہ واحد مسلم حکمراں خاتون تھی جس نے خود مختار حکومت کی مگر اس کی حکومت کو عوام و خواص کس نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ عصامی کے حسب ذیل اشعار سے لگایا جاسکتا ہے ؎

زناں جملہ در دام اہرمن اند | بہ خلوت ہمہ کار شیطاں کنند
نکردن تواں بر زباں اعتماد | نشاید بر آہرمناں اعتماد
نزیبد بہ زن تاج و تخت شہاں | کہ شد مملکت قسم کار آگہاں
جہاں داری از زن نیاید نکو | کہ دراصل ناقص شد است عقل او

رضیہ سلطانہ کے بعد معز الدین بہرام شاہ کو تخت نشین کیا گیا۔ اس نے عیش و عشرت اور شہوت پرستی میں شہرت حاصل کی۔[2] اس کی جانشینی علاء الدین مسعود شاہ نے کی۔ اس کا معاملہ بھی اگلوں سے مختلف نہ تھا، نفس پرستی اور لہو ولعب میں مبتلا ہو کر اس نے اخلاق حمیدہ سے خود کو الگ کر لیا اور ملک میں فتنہ و فساد کا موجب بنا۔[3] سلطان ناصر الدین محمود کو ۱۲۴۶ء میں بادشاہ منتخب کیا گیا اس کے متعلق یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ بادشاہ متقی، پرہیز گار، حلیم، عابد اور ذاکر انسان تھا وہ سرکاری خزانہ کو کبھی ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ اس کا ذریعہ آمدنی قرآن کی کتابت تھی۔[4] اس کی عبادت اور ملکی خدمت کی صورت حال یہ تھی کہ انھوں نے زمام اقتدار اپنے غلام الغ خاں (غیاث الدین بلبن) کو یہ کہہ کر سونپ دیا تھا کہ "زنہار کارے نہ کسی کہ فردا در حضرت بے نیاز درمانی و مرا خود را خجل و شرمسار گردانی"۔[5] ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے تجھے اور مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے۔ وہ اپنے اکثر اوقات تخلیہ میں عبادت، تلاوت اور ذکر و نوافل میں صرف کرتا۔ ناصر الدین محمود

---

[1] منہاج سراج، طبقات ناصری ص۱۸۹ نیز دیکھیے ابن بطوطہ، رحلہ ص۴۲۳، بیروت ۱۹۶۴ء
[2] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص۱۲۰
[3] طبقات ناصری ص۲۰۱
[4] تاریخ فیروز شاہی ص۲۶
[5] منتخب التواریخ ۱/۸۹

کے سب غلاموں میں بلبن زیادہ ہوشیار اور تجربہ کار تھا، اس لیے محمود کے بعد سلطنت کی باگ اسی نے سنبھالی، حکومت سنبھالنے سے پہلے اس کی زندگی بقول برنی یہ تھی" در ایام ملکی و نوبت خانی بہ شراب خوردن و مجلس آراستن مشہور بود۔ قمار باختے وسیم قمار را غارت کنانیدی و بخشش ہا کردے"۔[1]

شراب نوشی اور یار باشی میں مشہور تھا، جوا کھیلتا اور جوا کے پیسہ کو لٹاتا اور بخشش کرتا مگر تخت نشینی کے بعد اس کی زندگی میں تبدیلی آگئی اور اس نے مسکرات و منہیات اور فسق و فجور سے توبہ کرلی اور عبادات و اذکار کا اہتمام کرنے لگا ضیاء الدین برنی اس تبدیلی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے

"بعد از جلوس تخت پادشاہی گرد مناہی نگشت و از جملہ مسکرات توبہ کرد و مجلس شراب ترک آورد و نام شراب و شراب خواراں نہ گرفت و در طاعت و عبادت و صیام و نفل و قیام شب مبالغہ نمود و بمواظبت جمعہ و جماعت و نماز اشراق و چاشت و اوابین و تہجد بیکبارگی میل کرد شب ہائی مراتیم تمام شب قیام کردے و نوافل و اوراد در سفر و حضر از و فوت نہ شدے و بے وضو اصلاً نہ بودے"۔[2]

بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد منکرات کے گرد نہ پھٹکا ہر قسم کی منہیات سے توبہ کرلی اور شراب اور شرابیوں کا نام نہ لیا اور طاعت و عبادت، روزہ و نفل اور شب گذاری میں حد سے بڑھا ہوا تھا جمعہ و جماعت اور اشراق و چاشت، اوابین و تہجد کی نمازوں کی طرف یک بیک مائل ہو گیا، عبادت کی راتوں میں تمام رات قیام کرتا اور سفر و حضر میں اوراد و نوافل نہ چھوڑتا اور کبھی بے وضو نہ رہتا۔

مگر اس دینداری اور عبادت گذاری کے باوجود اس کی سیاسی اور ملکی سرگرمیاں شرعی حدود کی پابند نہ تھیں اس کا طرز حکومت ساسانی طرز کا آئینہ دار تھا اور وہ حکومت کو شریعت سے الگ تصور کرتا اور پرانے امیروں کا یہ قول بار بار نقل کرتا:

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۴۵

[2] ایضاً ص۴۶

"ہر بادشاہے کہ حرمت و حشمت خود در ترتیب بار و کوکبہ و سواری و نشستن و برخاستن بآداب و رسوم اکاسرہ محافظت نہ نماید و در جمیع احوال و اقوال و افعال و حرکات و سکنات او حشم پادشاہی مشاہدہ نشود رعب او در دل رعایاے ممالک او منقش نمی شود"[۱]

جو"بادشاہ اکاسرہ کے رسوم وآداب کے مطابق اٹھنے بیٹھنے دربار وجشن وجلوس اور سواری کرنے میں اپنی حرمت و دبدبہ کی محافظت نہیں کرتا اور اس کے تمام اقوال و افعال اور حرکات وسکنات سے شاہانہ دبدبہ نہیں جھلکتا تو اس کا رعب بھی اس کے ملک کی رعایا کے دلوں پر نہیں بیٹھتا۔" برنی سلطان بلبن کی دینداری اور تقوی وطہارت کی تعریف کرنے کے باوجود لکھتا ہے کہ

"درحالت قہر وسطوت پادشاہی خداناترسی را کار فرمودے و در کشتن وبستن بلغاکیاں وسرتاباں صلاحیت ودینداری راپشت دادے وانچہ صلاح ملک چند گاہ خود دانستے خواہ مشروع خواہ نامشروع ان را در کار آوردے"[۲]

یعنی"غیظ وغضب کی حالت میں بادشاہ خدا سے بے خوفی کا ارتکاب کرتا اور سرکشوں اور باغیوں کو باندھنے اور قتل کرنے میں نیکی اور دین داری کو پس پشت ڈال دیتا اور جو کچھ اس کی نظر میں ملک کے مفاد میں ہوتا عام اس سے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز اسے کام میں لاتا۔" بلبن نے تخت نشینی سے پہلے اپنے بیٹوں کے نام محمد اور محمود رکھے لیکن تخت نشینی کے بعد اپنے پوتوں کے نام کیقباد، کیخسرو، کیکاوس اور کیمرس رکھے[۳] بلبن کی دینداری اور سخت گیری سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ وہ برائیاں جو معاشرہ میں رائج ہوگئی تھیں کم ہوگئیں اور لوگوں نے اگر خوفِ خدا کو چھوڑا تو بلبن کی تلوار کے خوف نے ان کو برائی کے برملا ارتکاب سے روکا مگر اس کے نظریۂ حکومت میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔

بلبن کے بعد جو امرا تخت نشین ہوئے وہ روحانی، اخلاقی اور ذہنی ہر لحاظ سے

۱؎ تاریخ فیروز شاہی ص۳۱

۲؎ ایضاً ص۴۲

۳؎ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص۱۶۱، ۱۶۲

پست تھے معیزالدین کیقباد جو بلبن کا وارث ہوا حد درجہ عیاش اور بدکار تھا، اس کی اخلاق باختگی کا تذکرہ بدایونی ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"خلیع العذار بودہ باستیفائے لذت وشہوت مشغول شد واکثر خلائق نیز بمقتضائے خورمئی آں عہد بعیش وعشرت روزگار می گذرانیدند وارباب لہو ولعب ومسخرگان ومطربان وبازیگراں برخلاف دورجدش تقرب تمام یافتند" [۱]

وہ بے شرم تھا اور شہوت ولذت کو پورا کرنے میں مشغول رہا اور اکثر عوام بھی اس عہد کے مقتضا کے مطابق عیش وعشرت میں زندگی گذارنے لگے، اس کے دادا کے دور کے برخلاف بھانڈوں، گویوں، مداریوں اور ارباب لہو ولوب نے تقرب حاصل کرلیا۔

اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوا وہ مورخ برنی کے بقول یہ تھا:

"دلہائے خواص وعوام ملک درشراب وشاہد ومطرب ومسخرہ میل کرد و آثار"الناس علی دین ملوکہم" درخورد وبزرگ وپیر وجواں وعالم وجاہل و عاقل وابلہ وہندو ومسلمان بلاد ممالک پیدا آمد [۲]

"ملک کے خاص وعام کا دل شراب وشاہد اور مطرب ومسخرہ کی طرف مائل ہوگیا اور الناس علی دین ملوکہم کے آثار ملک کے ہندو مسلمان عاقل وبے وقوف عالم وجاہل پیر وجوان اور بچے اور بڑے میں پیدا ہوگئے" اس نے داد عیش دینے کے لیے دریائے جمنا کے کنارے ایک عالی شان محل بنوایا اور اس کے ساتھ دختران خوبرو وعروسان جلوہ گاہ اور مطربوں اور لطیفہ گویوں کو آباد کیا برنی اس وقت کی صورت حال کا نقشہ اس طرح بیان کرتا ہے:

"فسق وفجور رواج گرفت، ومساجد از مصلیان خالی ماند وخمارخانہا معمور گشت ودر زاویہا کسے نماند وخلق درعیش وطرب مستغرق گشتند" [۳]

فسق وفجور عام ہوگیا مسجدیں نمازیوں سے خالی ہوگئیں، میکدے آباد ہوگئے، خانقاہوں میں

۱۔ منتخب التواریخ ۱/۱۵۸

۲۔ تاریخ فیروزشاہی ص ۱۳۰

۳۔ ایضاً

کوئی نہ رہا اور مخلوق عیش و عشرت میں ڈوب گئی۔

اس کے بعد خلجی خاندان برسرِ اقتدار آیا سلطان جلال الدین خلجی ایک نیک خدا ترس اور پاکباز انسان تھا اس نے رتھنبور کے محاصرہ کے وقت اپنے نائب احمد چپ کو جو نصیحت کی وہ اس کے مذہبی رجحان کی پوری عکاسی کرتی ہے، اس نے کہا کہ

"مسلمانی اور جو کچھ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور چیز ہے اور جو کچھ جبابرہ اور فراعنہ نے کیا ہے وہ دوسری چیز ہے۔ میں اس بات کو اپنے دل میں بٹھانے کی پوری کوشش کرتا ہوں کہ جو کچھ پیغمبروں نے کہا ہے بالکل سچ ہے اور قیامت ایک دن آئے گی اور نیک و بد ہر چیز کا خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا جو کچھ جابروں اور ظالموں نے کیا ہے اس کی پرسش ان سے ہوگی، ان لوگوں کے اقتدار سے رعب اور ہیبت لوگوں کے دلوں پر طاری تو ہو سکتی ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی دائرہ اسلام سے باہر اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح آٹے سے بال نکال کر پھینک دیا جاتا ہے"[1]

جلال الدین خلجی نہ صرف ملکی امور میں مذکورہ باتوں کا خیال رکھتا تھا بلکہ اس کی ذاتی زندگی میں بھی شریعت کی پابندی اور منکرات سے اجتناب کا اہتمام پایا جاتا تھا البتہ چونکہ وہ خود شاعر تھا اس لیے اس کے دربار میں شعر و ادب کی محفل بھی ہوتی اور اس کے ساتھ رقص و سرود بھی۔ مگر اس سلطان کو اس کے چچا زاد بھائی اور داماد علاء الدین خلجی نے سازش کے تحت قتل کر دیا اور اقتدار پر قبضہ جما لیا[2]

علاء الدین ایک دنیا دار، آزاد خیال اور جاہ پرست حکمران تھا اسے علم اور علماء سے فیضیاب ہونے کا موقع نہ ملا تھا اور اس کے مزاج میں سختی تھی[3] اس کو دولت

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۲۱۵

[2] ایضاً ص۲۳۵

[3] ایضاً ص۲۶۳

اور اقتدار کی ہوس نے اتنا مدہوش کیا کہ وہ اپنی مجلسوں میں امرار سے مشورہ لیتا کہ رسول کریمؐ کو خدا نے چار یار عطا کیے جن کی قوت سے انھوں نے دین وشریعت کا آغاز کیا اور پیغمبر کا نام دنیا تک دین کی وجہ سے باقی رہا اگر میں بھی اپنے چار یار الماس بیگ، الغ خاں، ظفر خاں، ملک نصرت خاں کی طاقت سے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالوں تو قیامت تک میرا اور میرے ساتھیوں کا نام صفحۂ روزگار پر باقی رہے گا۔[1] پھر وہ پوچھتا کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے قیامت تک میرا نام باقی رہے اور مخلوق ہمارے بتائے ہوئے راستہ پر چلے جب اس نے اس معاملہ میں اپنے وزیر علار الملک سے مشورہ کیا تو وزیر سمجھ دار تھا اس نے کہا اگر بادشاہ کا یہ خیال عوام میں مشہور ہو گیا تو بغاوت پھیل جائے گی اور اسے اقتدار سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔[2]

سلطان علار الدین نے ایک مرتبہ خود بھی شراب نوشی ترک کر دی اور اپنے درباریوں کو بھی اس سے روک دیا مگر اس کی کوئی شرعی وجہ نہ تھی بلکہ سیاسی اور ملکی تھی کیونکہ شراب نوشی سے ملکی امور میں سازشیں ہوتی تھی اور راز فاش ہوتے تھے بعد میں اس نے شراب نوشی کی اجازت دے دی۔[3]

علار الدین کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ تخت پر بیٹھا اس کی اخلاقی حالت اس قدر پست تھی کہ بدایونی کے بقول "اکثر اوقات زنانہ لباس زیب تن کرتا اور عورتوں کی طرح زیور و زینت سے آراستہ ہو کر مجلس میں حاضر ہوتا شراب نوشی اور دوسرے فسق و فجور کا برملا ارتکاب کرتا وہ اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے مرد و عورت کی تمیز بھی روا نہ رکھتا۔[4] جب بادشاہ کی اخلاقی حالت یہاں تک گر گئی تو رعایا کے دلوں میں بھی فسق و فجور پرورش پانے لگا اور بے حیائی و بدکاری کو فروغ ملنے لگا۔ برنی ان حالات کی تصویر کشی ان لفظوں میں کرتا ہے:

"اغلب مردماں توبہا بشکستند وصلاحیت وعفت را خیر باد گفتند واشتغال

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۲۶۳ [2] ایضاً ص۲۶۵

[3] شیخ محمد اکرام، آب کوثر ص۱۶۱، کراچی ۱۹۵۸ء

[4] منتخب التواریخ ۱/۲۱۱

نوافل وطاعات کہ در خواص وعوام مردم مشاہدہ می شد کمی گرفت و در فرائض خلل افتاد ومساجد بے جماعتی ماندند واز انچہ بادشاہ لیلاً ونہاراً در فسق و فجور اعلاناً واجہاراً استغراق گشت در بواطن رعایا ہم فسق و فجور رست"[1]

اکثر لوگوں نے توبہ توڑ ڈالی اور نیکی و پاکدامنی کو خیرباد کہدیا اور خاص وعام میں بندگی ونوافل کا جو اہتمام پایا جاتا تھا اس میں کمی آگئی، فرائض میں خلل پڑگیا، مسجدیں جماعت سے خالی ہوگئیں چونکہ بادشاہ رات دن فسق وفجور میں کھلم کھلا غرق رہنے لگا تو رعایا کے اندر بھی فسق و فجور سرایت کرگیا۔

مبارک شاہ نے ایک اور بھیانک کام یہ کیا کہ نیچی ذات کے ایک ہندو بروار بچہ کو گجرات سے لاکر اپنا ندیم اور محرم راز بنالیا اس کے ساتھ غیر فطری تعلق قائم کیا اور اسے اس حد تک سر چڑھایا کہ اس نے دارالحکومت میں پہونچ کر اور مبارک شاہ کا اعتماد حاصل کرکے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا اور جب بعض درباریوں نے اس کی حرکتوں پر انگلی اٹھائی تو بادشاہ کے ذریعہ ان کو عبرت ناک سزا دلوائی بالآخر اس نے ایک رات مبارک شاہ کو بھی قتل کردیا اور اس کے خاندان کے تمام افراد کو ہلاک کردیا اور عورتوں کی بے حرمتی کی[2] قطبی غلاموں کو تہ تیغ کرکے ان کی عورتوں کو گجرات کے ہندؤں کے حوالہ کردیا[3] اس نے نہ صرف بادشاہ اور اس کے خاندان کا صفایا کیا بلکہ اسلام اور مسلمان کی تذلیل میں کوئی کسر نہ چھوڑی ذبیحہ گائے پر پابندی لگادی اور اس کی سزا یہ مقرر کی کہ ملزم کو ذبح شدہ گائے کی کھال میں سی کر جلا ڈالا جائے[4] قرآن مجید کو جمع کرکے کرسیاں بنائیں اور مسجدوں کو بتکدوں میں تبدیل کردیا اور کفر وشرک کے شعائر کو اعلانیہ فروغ دیا[5] اور فوج میں اپنے ہم مذہبوں کو لاکر بھر دیا۔ غیاث الدین تغلق اس کی سرکوبی

---

[1] تاریخ فیروزشاہی ص ۳۸۶

[2] ایضاً ۴۰۶ - ۴۱۱

[3] Azeez Ahmad, Studies in Islamic culture in Indian Environment. p.96 Oxford, 1964.

[4] رحلۃ ابن بطوطہ ص ۳۴۵

[5] تاریخ فیروزشاہی ص ۴۱۱

کے لیے دیپال پور ملتان سے آگے بڑھا اور تھانیسر کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو کوئی ڈیڑھ سو سال بعد اللہ اکبر کے مقابلہ میں دہلی کی فوج نے نارائن نارائن کے نعرے لگائے[1]

اس دشمن اسلام بروار بچہ (خسرو خاں) نے ایک طرف انہدام اسلام کا یہ انتظام کیا اور دوسری طرف صوفیائے وقت کے لیے سرکاری خزانے کھول دیے تاکہ وہ اس کے کفر و الحاد پر ردعمل کا اظہار نہ کریں مشائخ نے بھی اسے مصلحتاً قبول کر لیا۔ فتح کے بعد جب غیاث الدین تغلق نے مشائخ سے رقموں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو سلطان اور حضرت نظام الدین اولیاء کے درمیان تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا[2]

غیاث الدین تغلق جس کا لقب غازی ملک تھا، اس نے خسرو خاں کو شکست دیکر اسلام اور مسلمانوں کو دوبارہ غالب کیا اور اس نے اعلان کیا کہ میں نے حکومت کے لالچ میں یہ جنگ نہیں لڑی ہے اگر قطبی خاندان میں کوئی فرد موجود ہے تو وہ حکومت کرے ورنہ حاضرین میں سے دونوں عہد کے بزرگ آگے بڑھیں مگر چونکہ قطبی خاندان کا کوئی فرد خسرو خاں کی تلوار سے نہ بچ سکا تھا اس لیے امراء اور عوام نے متفق ہو کر غیاث الدین تغلق ہی کو اپنا حکمراں چن لیا[3] سلطان غیاث الدین کی زندگی بہت پاکیزہ تھی۔ وہ صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا اور منکرات و فواحش سے اسے سخت نفرت تھی۔ اس کا عدل و انصاف ضرب المثل تھا اور دینی امور کی انجام دہی میں بہت مستعد رہتا تھا۔ برنی کہتا ہے کہ "اس کی ذات سے اسلام میں نئی جان آئی، مسلمان از سر نو تازہ ہوئے اور شعار کفر زمیں بوس ہوا"[4]

مگر اس سلطان کا انجام بھی یہ ہوا کہ محمد بن تغلق نے لکڑی کا ایک محل بنوایا اور اس طرح اس کی تعمیر کی کہ جب بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر اس میں داخل ہوا تو وہ زمین بوس ہو گیا اور بادشاہ کی وفات ہو گئی[5]

غیاث الدین تغلق کے بعد محمد بن تغلق تخت نشیں ہوا۔ محمد بن تغلق کا ذاتی کردار

---

[1] آب کوثر ص۲۴۹

[2] Studies in Islamic culture P. 98

[3] تاریخ فیروز شاہی ص۴۲۲

[4] ایضاً ص۴۲۳

[5] رحلۃ ابن بطوطہ ص۱۲۲

اچھا تھا وہ نماز روزہ کا خود بھی پابند تھا اور عوام کو بھی اس پر آمادہ کرتا تھا۔ اس کو اسلام کی اشاعت و تبلیغ سے بھی دلچسپی تھی۔ ابن بطوطہ اس کے متعلق اس تاثر کا اظہار کرتا ہے[۱]
"شعائر الدین عندہ محفوظۃ ولہ اشتداد فی امر الصلوٰۃ والعقوبۃ علیٰ ترکہا"
ملزموں کے جرائم کی تفتیش اور فیصلہ کے نفاذ کے لیے اس نے اپنے محل میں چار مفتیوں کو مقرر کر رکھا تھا جن کا کام جرائم کی تحقیق کے بعد سزا تجویز کرنا تھا[۲] اس کے باوجود وہ اپنی جس حیثیت کا دعویدار تھا مشائخ اور عوام اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بھی کہ اس کے ذہن پر دین و شریعت سے زیادہ عقلیت اور فلسفہ کا غلبہ تھا[۳] دوسرے یہ کہ اس کا طرز حکومت آمرانہ اور مطلق العنانی پر مبنی تھا۔ ضیاء الدین برنی ایک طرف تو اس کی نیکیوں اور خوبیوں کی فہرست پیش کرتا ہے دوسری طرف اس کے مظالم کی روداد بیان کرتا ہے وہ لکھتا ہے

> "پنج وقت نماز فرائض ادا کند و ہیچ مسکرے از مسکرات نخشد و از زنا
> و لواطت و نظر بحرام و خیانت نورزد، و ہیچ قمار سے نبازد و از فسق و
> فجور مستا اجتناب و احتراز نماید و با ایں ہمہ خون مسلمانان سنی و مومنان
> صافی اعتقاد ہموں جوئے آب بر طریق سیاست پیش دخول سلطانی
> رواں گرداند"[۴]

پانچوں وقت کی فرض نماز ادا کرتا ہے اور کوئی نشہ آور چیز نہیں پیتا اور محرمات کے قریب نہیں پھٹکتا، جوا نہیں کھیلتا فسق و فجور سے دور رہتا ہے ان سب کے باوجود سنی مسلمانوں اور صحیح العقیدہ مومنوں کا خون جوئے آب کی طرح بادشاہ کے دروازہ پر رواں رہتا ہے

ابن بطوطہ نے بھی اس کے مظالم کی تفصیل بیان کی ہے اور اس کا وہ خود بھی شاہد ہے وہ کہتا ہے کہ اس کا دروازہ شاذ و نادر ہی مقتولوں سے خالی رہتا ہے۔ وہ

۱؎ رحلۃ ابن بطوطہ ص۴۲

۲؎ منتخب التواریخ ۱/۲۳۹

۳؎ تاریخ فیروز شاہی ص۴۶۵

۴؎ ایضاً ص۴۶۰

لکھتا ہے کہ محمد بن تغلق نے ایک وقت میں ساڑھے تین سو آدمیوں کو قتل کرایا[1] ملتان میں بہرام کی بغاوت پر جب اس نے قابو پالیا تو ملتان کے باشندوں کے قتل کا بھی اس نے حکم دے دیا مگر شیخ الاسلام رکن الحق والدین کی سفارش پر اسے نافذ کیا[2] اسی جبر و تشدد کا نتیجہ تھا کہ اس کے آخری عہد میں نافرمانی اور بغاوت روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ عدل کی جگہ ظلم اور اسلام کی جگہ کفر پھیلنے لگا[3] یہ ظلم و تعدی محض عام لوگوں تک محدود نہ تھا بلکہ اس نے بہت سے مشائخؒ کو بھی سزائیں دیں۔ کچھ کو اپنی خدمت پر مامور کیا اور کچھ قتل بھی کیے گئے[4] اس کے مشق ستم کا نشانہ بننے والے شیخ شہاب الدینؒ اور شیخ ضیاء الدین سمنانی بھی تھے جن کی ڈاڑھیاں اکھیڑ ڈالی گئیں[5] اس کے دربار میں شاہانہ اسراف اور لہو ولعب کا بھی اثر تھا مغنیوں اور رقاصوں کا تماشہ ہوتا اور بعد میں یہ امراء کے حوالہ کر دی جاتیں[6]

محمد بن تغلق کے بعد فیروز شاہ تغلق مسند نشین سلطنت ہوا اس سلطان کی دینداری اور خدمت اسلام کے چرچے بہت ہوئے یہاں تک کہ وہ اولیا رحمت اللہ اور نائب رسول کے مقدس القاب سے یاد کیا جانے لگا، اس کے عہد میں مسلم معاشرہ بگاڑ کی جس پستی میں پہونچ گیا تھا وہ خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں یہ تھی۔

> "اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی، مذہب میں توہمات نے راہ پالی تھی، قبر پرستی اور پیر پرستی نے تصوف کی بنیادوں کو منہدم کر دیا تھا اباحتی فرقے اپنے افکار و نظریات کے پھیلانے میں سرگرم تھے، بدعات واحداث کا ہر طرف ہنگامہ تھا، یہی حال ہندو سوسائٹی کا بھی تھا اس عہد کے بعض مناد بقول ڈاکٹر ایشور ٹوپا شیطانیت کا مرکز تھے"[7]

---

[1] رحلۃ ابن بطوطہ ص ۱۸۷

[2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۰۹

[3] منتخب التواریخ ۱/۲۲۷

[4] رحلۃ ابن بطوطہ ص ۲۷۳-۲۷۴

[5] رحلۃ ابن بطوطہ ص ۲۷۳-۲۷۴

[6] ایضاً ص ۲۲۹

[7] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۰۹

فیروزشاہ نے ان برائیوں کو ختم کرنے کے لیے سخت اقدامات کیے، مزارات پر عورتوں کو جانے سے روکا مدعیان نبوت کی سرکوبی کی[۱]۔ دربار شاہی کے ماحول کو اسلامی احکام کے مطابق ڈھالا[۲]۔ شمس سراج عفیف اس کی اصلاحات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"انچہ در بلاد ممالک نامشروعات بود و بر خلاف شرع روئے می نمود تمام از محصول بلاد مملکت دور کنانند"[۳]

فیروزشاہی اصلاحات کی فہرست طویل ہے شمس سراج عفیف نے اس سلطان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے بالخصوص وہ آخری عہد کا تذکرہ کرتا ہے جس میں بادشاہ نے قیدیوں کی رہائی، مظلوموں کے انصاف اور مساجد کی باز آباد کاری کو اپنا مشغلہ بنا لیا تھا[۴]

لودھی سلاطین بھی اپنی دینداری اور شریعت کی پاسداری کی بنا پر سلاطین ہند کی تاریخ میں ممتاز مقام اور اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔ سلطان بہلول لودھی شریف النفس اور سادہ مزاج انسان تھا وہ امرا اور سپاہیوں سے اپنے لیے کسی ممتاز حیثیت اور خاص عزت کا مطالبہ نہیں کرتا اور اپنی تعظیم میں کھڑا ہونے سے بھی روکتا۔ سب لوگوں کے ساتھ مساویانہ اور برادرانہ سلوک روا رکھتا، فیاضی اور بردباری اس کی فطرت میں شامل تھی، تاریخ داؤدی کا مصنف اس کی سیرت و اخلاق اور دین داری کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے مثلاً وہ لکھتا ہے کہ:

"بظاہر آراستہ بشریعت و متابعت آں کمال تقید داشت در کل احوال سلوک بر مسالک شریعت نمودے و خلاف شریعت ہرگز بکار دست نزودے"[۵]

وہ اپنے بیشتر اوقات علماء اور صالحین کی صحبت میں گذارتا، نماز باجماعت کا اہتمام کرتا عدل و انصاف اور فیاضی کا التزام کرتا محتاجوں اور ضرورت مندوں کی خبر گیری کرتا[۵]

---

[۱] ملاحظہ ہو فتوحات فیروزشاہی، علی گڑھ ۱۹۶۰ء

[۲] شمس سراج عفیف، تاریخ فیروزشاہی ص ۳۷۲ [۳] ایضاً ص ۳۷۳ [۴] ایضاً ص ۵۰۳-۵۱۱

[۵] عبداللہ، تاریخ داؤدی، ص ۱۰، شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۶۹ء

اس نے بہت سی ان رسموں کو جو عرصے سے رائج تھیں اور شریعت مطہرہ کے خلاف تھیں، بند کر دیا[1]

بہلول کے بعد سکندر لودھی حکمراں ہوا اور حقیقت میں اس نے اپنے باپ کی سچی جانشینی کی، پدرانہ شرافت و دینداری اور خدمت کی روایت کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اسے آگے بڑھایا۔ اس نے حکومت شریعت کے ساتھ نبھائی، اس کی ذاتی زندگی سے متعلق تاریخ داودی میں مذکور ہے کہ "ہیچ چیز از جنس فواحش وقبائح و ذمائم گرد سراپردۂ حال وے رہ نداشت نماز با جماعت گذاردے بعد از نماز پیش تا عشا صحبت با علماء داشتہ تلاوت کتاب مجید کردے"[2]

بادشاہ کی دینداری کا رعایا پر لازماً اثر پڑتا ہے چنانچہ اس کے عہد میں ہر محلہ میں نماز باجماعت ہونے لگی، اس نے مزارات پر جانے سے عورتوں کو روک دیا عوام کے لیے غلہ اور اشیائے خورد و نوش سستا کر دیا اور مسلمانوں کو کفر و شرک کے اثرات سے نجات دلایا[3] وہ اپنے دینی جذبہ اور قومی غیرت وحمیت کا پرجوش طریقہ پر اظہار کرتا اس کے زمانہ میں اصلاح و تقویٰ کا عمل اور امانت و دیانت کا چلن عام ہو گیا۔ ہر خاص وعام میں ادب حیا، صلاح و دینداری اور دین پروری پیدا ہو گئی تھی[4] نوبت یہاں تک پہونچی کہ کوئی شخص خود اپنے غلام پر نگاہ تیز نہیں کر سکتا تھا[5] اس کے عہد میں علوم وفنون اسلامی کو ترقی ہوئی۔

سوری سلاطین کی مختصر تاریخ حکومت بھی اپنی خدمات اور اثرات کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے اس خاندان کا پہلا حکمراں شیر شاہ سوری قابل، غیرت مند، مدبر، دیندار اور تہجد گزار حکمراں تھا اس کی تعلیم و تربیت علماء جونپور کے سایہ عاطفت میں ہوئی تھی گو کہ اسے صرف پانچ سال حکومت کرنے کا موقع ملا اور وہ بھی جنگ کے ہنگاموں کے ساتھ پھر بھی خدمت خلق اور دینداری کے جو کام اس نے کیے وہ قابل قدر وستائش ہیں

---

[1] عبداللہ، تاریخ داودی، ص۲۵، شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۶۹ء

[2] ایضاً ص۳۸ [3] ایضاً ص۳۹

[4] ایضاً ص۴۰

[5] ایضاً ص۴۲

اس نے پشاور سے لے کر بنگال تک جرنیلی سڑک بنوائی، مسافروں کی سہولت کے لیے سرائے، کنواں، سایہ دار درخت اور مساجد کا انتظام کیا۔ علماء و فضلاء کی قدر دانی، مدارس کا قیام مظلوموں کی فریاد رسی اور کمزوروں کی دستگیری کا اہتمام کیا۔ ہمارے مورخین کو شکایت ہے کہ اس نے رہتاس کا قلعہ فتح کرنے کے لیے پورن مل کے زیر کمان رائے سین کے چار ہزار سپاہیوں کو تہ تیغ کر دیا اور پورن مل کے بیٹے کو آختہ کر دیا۔[1] مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ پورن مل رائے سین کے قلعہ میں بغاوت کا علم بلند کر کے اس علاقہ کے اکثر پرگنہ پر قابض ہو گیا اور دو ہزار مسلمان عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کر کے رقاصوں اور پاتریوں کے زمرہ میں شامل کر دیا اس سے شیر شاہ کی دینی اور بادشاہی غیرت متحرک ہوئی اور اس نے اس کی سرکوبی کی۔[2] شیر شاہ اکثر و بیشتر کہا کرتا ہے:

"بادشاہوں کو چاہیے کہ وہ حالات کا صفحہ عبادت سے رقم کریں تاکہ عوام اور ملازمین عبادت کی طرف مائل ہوں اور ہر وہ اطاعت جس کا صدور رعایا سے ہو بادشاہ کو اس میں شریک ہونا چاہیے، فسق و فجور فتوحات کے ظہور کے لیے مانع ہے، بادشاہوں کو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔"[3]

شیر شاہ کی جانشینی اس کے بیٹے اسلام شاہ نے کی اور اس کے بعد مغلوں نے اس خاندان سے تخت و تاج چھین لیے۔ مسلم سلاطین کا یہ آخری طبقہ (مغل) تھا جس کا نسبی تعلق تیمور و چنگیز سے تھا۔ سقوط بغداد کے بعد مغل اگرچہ مسلمان ہو گئے مگر ابھی تک ان کے ذہنوں سے عہد جاہلیت کے اثرات اور تصورات محو نہ ہو سکے تھے، ساتویں صدی ہجری تک ان کو کافر سمجھا جاتا تھا۔[4] ہندوستان کے مسلم حکمراں ان کو کافر و ملحد اور زندیق کے نام سے پکارتے تھے ان کی طرف سے وہ اتنے بدظن تھے کہ کئی بار ان کا قتل عام کیا۔[5] ان کی سیاست بھی

۱؎ ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ ۱/۲۳۷، نول کشور

۲؎ ایضاً

۳؎ تاریخ داودی ص ۳۰۹

۴؎ منتخب التواریخ ۱/۳۸۶

۵؎ عرب و ہند کے تعلقات ص ۸۹

ان کے ہوس واقتدار اور ملک گیری کے تابع تھی، سیاست ظالمہ کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں کہ:

"مشرق میں اس قسم کا سیاسی قانون پہلے چنگیز خاں نے بنایا تھا، اور قانون کی ایک کتاب مرتب کرائی تھی جس کا نام یاسہ تھا، پھر یہی سیاسہ ہو گیا، چنگیز خاں کے بعد اس کی اولاد نے یہ قانون جاری رکھا اور اسے اپنا دین و مذہب بنا لیا اور کوئی اس دائرہ سے باہر نہیں نکلا لیکن جب وہ مشرق و شمال اور قبچاق کے علاقوں میں پھیلے اور انہیں قید کیا اور غلام بنایا اور پھر ہندوستان تک آئے تو اس وقت وہ اسلامی اصول قرآن اور شریعت اسلامیہ سے واقف اور متاثر ہو چکے تھے، چنانچہ انہوں نے حق و باطل کا ایک امتزاج تیار کیا قاضیوں کو ایک طرف تو انہوں نے تمام دینی امور کا نگراں بنا دیا۔ مگر دوسری طرف اپنے ذاتی معاملات میں اپنی پرانی سیاست کے آداب کی پابندی کرتے رہے۔"[1]

مغلیہ خاندان نے اگرچہ ایک پائیدار اور وسیع مملکت کی بنا ڈالی یہ بالقصد اسلام کی خدمت واشاعت کے جذبات پر مبنی نہ تھی بلکہ جہانداری اور توسیع اقتدار کے عزم اور منہائے نظر سے وابستہ تھی سلطان بابر ابتدا میں شریعت کا پابند نہ تھا۔ وہ شراب اور دوسری منکرات کا بھی عادی تھا، فتح دہلی کے بعد شمالی ہندوستان کے راجاؤں نے راناسانگا کے ساتھ مل کر جب بابر کا مقابلہ کیا اور بابر کی فوج شکست کے آثار دیکھ کر ہمت ہارنے لگی تو اس وقت بابر نے اپنی شراب نوشی اور دوسرے غیر شرعی اعمال یہاں تک کہ ریش تراشی سے توبہ کی، اور دعا کر کے میدان میں اترا، اللہ نے اسے کامیابی عطا کی، بابر کے اقتدار سے اسلام کو یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ہندو راجاؤں نے جن مسجد اور اسلامی اداروں کو گوسالہ وغیرہ میں تبدیل کیا تھا، وہ واگذار ہوئے، مسلمانوں پر جو مظالم ہوتے تھے وہ ختم ہوئے دینی مراکز قائم ہوئے اور علوم وفنون کی سرپرستی ہوئی۔ بابر کا رویہ اپنی رعایا کے ساتھ نرمی اور رواداری پر مبنی تھا۔

---

[1] عبدالحئی لکھنوی، ہندوستان اسلامی عہد میں ص۶۳، ترجمہ شمس تبریز خاں، لکھنؤ ۱۹۷۲ء

ہمایوں شریعت کا پابند نہ تھا اور منکرات کا اسیر تھا، اس کی اخلاقی کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر شیر شاہ سوری نے اسے اقتدار سے بے دخل کر دیا۔ تاریخ داؤدی کا مصنف لکھتا ہے کہ جس وقت شیر شاہ جھارکھنڈ کے پہاڑوں میں فروکش ہو کر وہاں کے راجا مہارتھ کو زیر کیا تو اسے خوب مال غنیمت ہاتھ آئے، راجہ کی بیٹی بھی فوجیوں کے ہاتھ آئی اس کی خوبصورتی کا عالم یہ تھا کہ قلم تقدیر نے اس سے زیادہ خوبصورت تصویر نہیں بنائی۔ افغان سرداروں نے اس شاہزادی کو شیر شاہ سوری کے سامنے پیش کیا، شیر شاہ نے جب اسے دیکھا تو ناراض ہوا اور کہا یہ مجسم بلا ہے اسے میرے سامنے سے ہٹا دو، شیر شاہ کے مقربین نے کہا یہ حسین صورت دوشیزہ جس سے آفتاب و ماہتاب شرمندہ ہے اسے بلا کیسے کہا جا سکتا ہے تو شیر شاہ نے کہا اگر اسے میں اپنے گھر میں رکھ لوں تو کاروبار زندگی سے غافل ہو جاؤں گا اور یہ عمر کا تقاضا بھی نہیں ہے اسے ڈولی میں بٹھا کر ہمایوں کے پاس بھجوا دو اور جب کہار ہمایوں کے ڈیرہ کے پاس پہونچے تو لوگوں سے یہ پوچھے کہ شیر شاہ کا ڈیرہ کہاں ہے ہم اس کے محل کے لیے یہ دوشیزہ لائے ہیں۔ جب ہمایوں کو یہ خبر ملے گی تو فوراً اسے بلالے گا اور حکومت کی یاد بھی اسے نہ آئے گی اس وقت ہم اپنا کام کر جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، ہمایوں اس مجسم بلا کو پانے کے بعد دو ماہ تک فوجی نقل و حرکت سے غافل رہا اور شیر شاہ نے اپنا منصوبہ پورا کر لیا۔[1]

اسلامی تہذیب کو سب سے زیادہ نقصان اکبر نے پہونچایا۔ اکبر ایک جاہل حکمراں تھا اسی وجہ سے وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔ اس کی اسلام سے بے زاری اور شعارِ کفر کی آبیاری تاریخ ہند کا ایک المناک باب ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کی کفریات کا تفصیلی مشاہدہ کیا ہے اور سلیقہ سے قلم بند کیا ہے[2] شیخ احمد سرہندی نے بھی اپنے

---

[1] تاریخ داؤدی ص ۱۲۳-۱۲۲

[2] دیکھیے منتخب التواریخ جلد دوم۔ عہد اکبری کے مورخین اور واقعات نویس حضرات اکبر کے خوف سے اس کی بے دینی اور اسلام مخالف سرگرمیوں کی روداد نہ لکھ سکے مگر بدایونی نے جرأت و ایمانداری سے کام لیکر ان حقائق سے پردہ ہٹایا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جہانگیر بادشاہ نے پابندی لگادی تھی کہ ممالک محروسہ کے کاتب منتخب التواریخ کی خرید و فروخت نہ کریں، ملاحظہ ہو صمصام الدولہ شاہ نواز خاں مآثر الامرا ۱/۶۸۷، اردو ترجمہ پروفیسر الیرتادری لاہور ۱۹۶۸ء

مکتوبات میں اسی صورتِ حال کی طرف جابجا اشارے کیے ہیں[۱]۔ اکبر کے دورِ حکومت میں شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا گیا۔ ذبیحہ گائے پر پابندی عائد کی گئی۔ ہجری سال کو تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ عربی پڑھنا اور جاننا معیوب اور قرآن پڑھنا مطعون ٹھہرا، آفتاب اور آتش کی پوجا کو فروغ ملا۔ بادشاہ کے لیے سجدہ ایجاد ہوا، دینِ محمدی کو منسوخ کرنے کا حکم ہوا، بدکاری کے لیے شیطان پورہ محلہ آباد کیا گیا اور ہندوانہ رسم و رواج کو رواج دیا گیا وغیرہ[۲]

جہانگیر نے اکبر کی پھیلائی ہوئی کفریات میں اضافہ تو نہیں کیا مگر ان کا پورے طور پر استیصال بھی نہیں کیا۔ علماء و مشائخ کے تعلقات و اثرات کے تحت اس نے کسی حد تک بعض چیزوں کو ختم کرنے کی بھی سعی کی مگر خود اس کی ذاتی اور درباری زندگی شرعی حدود و قیود سے آزاد رہی۔ اس نے اپنی شراب نوشی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر ۳۸ سال کی عمر تک مسلسل پی رہا ہوں۔ شروع میں بیس بیس جام پی جایا کرتا تھا۔ اب اس قدر پیتا ہوں جس سے کھانا ہضم ہو جائے[۳]۔ انہوں نے ذبیحہ پر پابندی عائد کرنے سے متعلق لکھا ہے کہ میں نے حکم دیا کہ میرے والد بزرگوار کے اصول کے مطابق ہر سال میری پیدائش کے دن، اور ربیع الاول سے لے کر اب تک میری عمر کے جتنے سال بنتے ہیں اتنے دن ملک میں ذبیحہ نہ کیا جائے، اس کے علاوہ ہفتہ میں دو دن یعنی جمعرات اور اتوار کو ذبح نہ ہو۔ جمعرات اس لیے کہ میری تخت نشینی کا دن ہے اور اتوار اس لیے کہ میرے والد بزرگوار کی پیدائش کا دن ہے[۴]

شاہجہاں کے عہد میں صورتِ حال کچھ اور بہتر ہوئی علوم و فنون دینیہ کی اشاعت ہوئی اسلامی مراکز بھی جگہ جگہ قائم ہوئے۔ مساجد و مدارس کی سرپرستی ہوئی اور فاسد رسموں کی اصلاح پر بھی توجہ دی گئی گویا عہدِ شاہجہانی سے سماجی تبدیلیوں کی شروعات

---

۱ ملاحظہ ہو مکتوباتِ امامِ ربانی ۲ منتخب التواریخ صفحات ۳۰۶، ۳۰۳، ۲۶۱

۳ جہانگیر، تزکِ جہانگیری ص ۲، اردو ترجمہ مولوی احمد علی رام پوری، لاہور ۱۹۶۰ء

۴ ایضاً جہانگیر نے شاہزادہ خرم کو جبکہ اسکی عمر چوبیس سال تھی شراب پیش کی اور یہ شعر پڑھا

مے دشمن مست و دوست ہوشیار است — اندک تریاق و بیش زہر مار است

در بسیارش مضرت اندک نیست — در اندکش منفعت بے شمار است

M.Yaseen, A Social History of Islami India, P.97. Lucknow, 1958

ہوئی مگر شاہجہاں کی درباری زندگی پر عجمی تصورِ حکومت کے اثرات برقرار رہے۔

بالآخر اسی خاندان سے اورنگ زیب عالمگیر جیسا متقی اور بالغ نظر حکمراں پیدا ہوا جو نہ صرف اپنی ذات میں دین و شریعت کا پابند تھا، بلکہ اس کا ملکی نظام بھی شرعی قوانین کا آئینہ دار تھا، مسلم سلطنت کے زوال سے پہلے اس سلطان نے ہندوستان میں جو کام کیا وہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں نہایت حوصلہ افزا تھا اس نے ایک طرف تو دینی علوم کی اشاعت پر بھرپور توجہ دی، دوسری طرف باطل طاقتوں کی مزاحمت اور اسلام کی اشاعت پر بھی کمربستہ ہوا، پچھلی فاسد رسموں کو نہ صرف مٹایا بلکہ احیاءِ دین کی ہمہ گیر کوشش کی، چنانچہ اس سلطان کو ہندوستان میں احیاءِ اسلام کا امین قرار دیا جانے لگا اورنگ زیب سے قبل اخلاقی قدروں کو جو زوال آیا تھا، اور معاشرتی و سیاسی نظام میں جو خرابیاں واقع ہوگئی تھیں ان سب کو دور کرنے کی اس نے انتھک جدوجہد کی۔ اس کے زمانہ میں کوئی شہر اور کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں جہاں جُوا اعلانیہ کھیلا جاتا یا جہاں فاحشہ عورتیں کھلم کھلا بدکاری کا ارتکاب کرتیں، شراب افیون اور چرس وغیرہ ممنوع قرار دی جاچکی تھی۔ ان کی کاشت پر بھی پابندی عائد تھی، وہ خود بھی ہر قسم کی اخلاقی برائی سے پاک تھا اس لیے اس کے حکام اور اس سے قریب رہنے والے عہدیدار بھی ہر طرح کے جرائم سے پرہیز کرتے تھے۔ اس کی اصلاحات کا دائرہ یہاں تک وسیع تھا کہ مردوں کے قمیص کی لمبائی کی بھی حد مقرر تھی، انہوں نے عورتوں کو تنگ شلوار استعمال کرنے سے منع کردیا تھا صوفیا کے عرس و مزارات پر ان کی حاضری پر پابندی عائد کردی تھی، لوگوں کی بری عادت چھڑوانے کے لیے انہوں نے علماء اور محتسب حضرات کو مقرر کیا تھا۔[۱]

اورنگ زیب عالمگیر کے جانشین سیاسی لحاظ سے کمزور بزدل اور ناعاقبت اندیش، دینی لحاظ سے بے کردار اور آزاد، اخلاقی لحاظ سے عیاش واقع ہوئے تھے انھوں نے ان اصلاحات کو نہ صرف برقرار نہ رکھا بلکہ پھر بدنظمی بے دینی اور بداخلاقی کی فضا پیدا کردی، کسی کے دینی عقائد متزلزل ہوگئے[۲] تو کسی نے ڈمنی لال پر فریفتہ ہوکر حکومت کی باگ اس

۱۔ رشید اختر ندوی، مسلمان حکمراں ص۸۱۳، لاہور ۱۹۶۱ء

۲۔ Zaheeruddin faruki, Aurangazeb And his times P. 560 Delhi 1935

رقاصہ کے حوالہ کردی[1] کسی نے مینا بازار کا اہتمام کیا جہاں آتش شہوت کو ٹھنڈا کرنے کا انتظام تھا[2] کسی نے محمد حسین مشہدی کے نئے دین کی پشت پناہی کی[3] کسی نے افیون کھانے کو زندگی کا بہترین مشغلہ بنایا اور فسق و فجور کا عام ماحول پیدا کر دیا[4] کسی نے شریعت محمدی پر نکتہ چینی کی اور مذہبی احکام کا مذاق اڑایا[5] کسی نے عیش و عشرت میں ڈوبے رہنے کو زندگی کی قیمت جانا اور گویا ہوئے ہ

صبح تو جام سے گذرتی ہے — شام دل آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گذرتی ہے[6]

نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی گرفت ڈھیلی پڑی تو طوائف الملوکی شروع ہوئی، غیر مسلموں نے موقع کو غنیمت جان کر صدیوں کا انتقام لمحوں میں حاصل کر لینے کا تہیہ کر لیا، اسلامی شعائر کمزور ہونے لگے اور کفر کے شعائر ظاہر ہونے لگے۔ بالآخر انگریزوں نے سازش اور چالاکی سے مسلمانوں کی طویل حکومت کا خاتمہ کر دیا اور اس کے ساتھ ہی ہندوستان سے مسلمانوں کا اقبال بھی رخصت ہوا۔

ہندوستان کے سلاطین کی مجموعی صورت حال کا جائزہ لینے سے دو باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں ایک تو یہ کہ ان سلاطین (بجز چند ایک کے) کا مقصد ملک گیری اور جہانداری تھا، اسلام کی خدمت اور اشاعت ایک ضمنی بات تھی جب کہ بہت سے سلاطین اس کی خدمت کیا کرتے اس کو نقصان پہونچانے کے درپے تھے بعض شعوری طور پر اور بعض غیر شعوری طور پر۔

دوسرے یہ کہ ان سلاطین کا اپنا درباری ماحول جس کا اثر بہر حال عوام پر پڑتا

---

۱ طباطبائی، سیر المتاخرین ۲/۳۸۱
۲ محمد عمر، ہندوستانی معاشرت اٹھارویں صدی میں ص ۳۸۰، دہلی ۱۹۷۰ء
۳ ایضاً
۴ سیر المتاخرین ۲/۷۰
۵ ہندوستانی معاشرت اٹھارویں صدی میں ص ۲۹۱
۶ حیرت دہلوی، حیات طیبہ ص ۷ دہلی

ہے (چند ایک سلطان کے علاوہ) اسلامی تہذیب و تمدن کا آئینہ دار نہ تھا اور اسے خلفاء اسلام سے کوئی مناسبت نہ تھی، بلکہ اس کی مناسبت رستم و نوشیرواں کے طرزِ حکومت سے تھی۔ ان سلاطین میں سے کسی کے متعلق تاریخ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انھوں نے فریضۂ حج بھی ادا کیا ہو۔ چند سلاطین کے علاوہ شراب نوشی بھی ہر دربار کی زینت رہی۔ فوجیوں اور افسروں سے یہ لعنت تو شاید کبھی ختم نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں بھی صورت حال یہ تھی کہ انھوں نے نہایت افسوس کے ساتھ ایک مرتبہ کہا:

> "پورے ہندوستان میں دو آدمیوں کے علاوہ کوئی شراب نوشی سے پاک نہیں ہے ایک تو وہ خود اور دوسرے ان کے مقرر کردہ قاضی القضاۃ"[1]

سلاطین ہند کی تاریخ کے اس مختصر جائزہ سے یہ معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ مسلم حکمرانوں نے ہندوستان میں اسلام کی توسیع و اشاعت کی کوئی منصوبہ بند کوشش نہیں کی اور نہ ان کی حکومت کا مقصد اسلام کا فروغ تھا، مگر اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ اسلام کی اشاعت میں منہمک علماء اور بزرگوں کو ان سلاطین کا نہ صرف تعاون حاصل رہا بلکہ مختلف جہتوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا وہ ذریعہ ثابت ہوئے۔ بلکہ اسلام کے استحکام کی جو کوششیں مساجد اور تعلیم گاہوں کے قیام اور علوم و فنون کی سرپرستی کے ضمن میں ہوئیں وہ بھی اپنی جگہ اہم ہیں۔ ان سب کے باوجود اسلامی تہذیب کو مسلم سلاطین کے حوالے سے دیکھنا غیر مناسب ہے۔

---

[1] A Social History of Islamic India, P. 98

مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام : مولانا سلطان احمد اصلاحی

مشترک خاندانی نظام ہندوستان اور تیسری دنیا کے ملکوں کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس رسالہ میں ایک طرف اس نظام کے نقائص تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور دوسری طرف اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کے خدوخال، اس کے مستند ماخذ کی روشنی میں دلائل کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں۔ دوسرا ایڈیشن کافی حذف و اضافہ کے بعد آفسیٹ کی حسین طباعت، صفحات ۱۰۲ قیمت ۲۰ روپے۔

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱